ڈاکٹر محمد ایوب قادری

سلطنتِ مغلیہ کے زوال پر ایک نظر

برعظیم پاک و ہند میں مغلیہ سلطنت کا دور نہایت شان دار رہا ہے، بابر نے ۱۵۲۶ء میں لودی خاندان کا خاتمہ کر کے اس کی بنیاد رکھی۔ اکبر اعظم نے نہ صرف اسے وسعت دی بلکہ مضبوط و مستحکم کر کے واقعی ایک شان دار سلطنت بنا دیا اور اس کے چھٹے حکمران اورنگ زیب عالم گیر (۱۷۰۷ء) تک اس کا استحکام غلبہ برقرار رہا۔ اورنگ زیب کی آنکھ بند ہوتے ہی سلطنت کا زوال شروع ہوا، اس کے جانشین اس کی حفاظت نہ کر سکے بلکہ مجبور و مقہور ہو کر ننگِ خاندان ثابت ہوئے۔ نومبر ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر کے "شاہ عالم بادشاہ کو" قلعہ معلیٰ" کا مکین اور وظیفہ خوار بنا دیا۔ اس کا فرزند اور جانشین اکبر شاہ ثانی اپنے وظیفے میں اضافہ نہ کرا سکا اور آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا، شکست و نامرادی سے دوچار ہوا، شہزادے قتل ہوئے، بادشاہ گرفتار ہوا۔ مقدمہ چلا، نومبر ۱۸۵۸ء میں جلاوطن ہو کر رنگون روانہ ہوا، اور نومبر ۱۸۶۲ء کو رنگون میں فوت ہوا۔

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے   دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

اس عظیم سلطنت کے زوال پر جب ہم غور کرتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اتنی جلدی اس کا خاتمہ ہو گیا۔

بہر حال جب سلطنت کا زوال شروع ہوا تو بعض غیر ملکی اور غیر مسلم قوتیں پورے منصوبے کے تحت ملک میں سیاسی قسمت آزمائی شروع کر چکی تھیں۔ وہ موقع و محل کے اعتبار سے زور آزمائی اور پنجہ کشی کر رہی تھیں اور ان کو بعض حالات میں کامیابی بھی ہو رہی تھی۔ ان غیر ملکی قوتوں میں مندرجہ ذیل خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ ڈچ

۲۔ پرتگالی

۳۔ فرانسیسی

۴۔ انگریز

ان میں اوّل الذکر تینوں قوتیں نبرد آزمائی کے بعد ہمت ہار گئیں مگر انگریز میدان میں رہ گئے اور اپنی شاطرانہ چالوں سے کامیاب ہوئے۔ غیر مسلموں میں مندرجہ ذیل قوتیں قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ مرہٹے

۲۔ سکھ

۳۔ جاٹ

جاٹوں نے آگرہ اور بھرت پور کے علاقے میں ہاتھ پاؤں مارے اور غلبہ و اقتدار حاصل کر لیا۔ مرہٹوں کے سیلاب نے ملک کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا، ان کی تاخت نے تمام شمالی ہند کو روند ڈالا، وہ بنگال اور پنجاب کی حدود تک پہنچے اور ملک کے امن و امان کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔ مرہٹوں نے کم و بیش تیرہ مرتبہ شمالی ہند پر اور چھ مرتبہ بنگال پر چڑھائی کی اور سلطنتِ مغلیہ، مسلم ریاستوں اور امیروں کو ہلا کر رکھ دیا۔ البتہ ۱۷۶۱ء میں ان کی قوت کو سخت دھچکا لگا لیکن پھر انھوں نے اپنا آپ سنبھال لیا مگر اب میدان میں ان کے حریف انگریز رہے۔ یہاں ہم دو غیر ملکی حملہ آوروں کا ذکر بھی ضروری سمجھتے ہیں جنھوں نے سلطنتِ مغلیہ کی پیٹھ میں چھرا گھونپا اور اس کو نیم بسمل کر دیا۔ (۱) نادر شاہ کا حملہ ۱۷۳۹ء (۲) احمد شاہ ابدالی کے مسلسل سات حملے (۱۷۴۸ء - ۱۷۶۲ء)

نادر شاہ نے نہ صرف دہلی میں قتلِ عام کیا بلکہ تختِ طاؤس، تختِ رواں، کوہ نور ہیرا، کروڑوں روپیہ نقد، کروڑوں کا مالِ اسباب، ہاتھی گھوڑے اور نہ جانے کیا کیا لے گیا۔

احمد شاہ ابدالی نے بھی خوب لوٹا مگر ۱۷۶۱ء کی جنگِ پانی پت میں اس نے مرہٹوں کے زور کو البتہ توڑا اور سکھوں کو سزا دی، یہی ایک بات اس کے حق میں جاتی ہے۔

مرکز میں امیروں اور وزیروں کی سازشیں اور زور آزمائیاں بھی سلطنت کی کمزوری کا سبب ہوئیں۔ عبداللہ اور حسین علی برادران کے ہاتھوں نہ صرف بادشاہ کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے بلکہ ان کا عزل و نصب اور موت و حیات ان ہی سید برادران کے اشارۂ چشم و ابرو کی رہینِ منت تھیں۔ انھوں نے مرہٹوں کو چوتھ اور سردیش مکھی کا حق دے کر نہ صرف ان کی بالادستی قبول کر لی بلکہ ان کو لوٹ مار کی کھلی چھٹی دے دی۔ سید برادران کی سیاست کا یہ سب سے گھناؤنا اور بدترین پہلو ہے۔

مرکز کی گروہ بندیوں اور سازشوں کے نتیجے میں مندرجہ ذیل چھوٹی بڑی نیم خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں۔

دیکھیے ان میں کون کون امرا اور پارٹیاں ہیں:

۱۔ بنگال میں علی وردی خاں

۲۔ اودھ میں برہان الملک

۳۔ دکن میں نظام الملک

۴۔ فرخ آباد میں بنگش

۵۔ روہیل کھنڈ میں روہیلے

۶۔ نجیب آباد میں نجیب الدولہ

ان ریاستوں کے قیام کی وجہ سے مرکز کمزور سے کمزور تر ہوا۔ پھر یہ ایک دوسرے سے آپس میں بھی نبرد آزما رہتی تھیں۔ بنگال کی حکومت کا خاتمہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں ہوا، جس میں سراج الدولہ کو ناکامی ہوئی، مگر پھر انگریزوں کا کٹھ پتلی اور ننگِ قوم میر جعفر اور اس کی اولاد بھی جلد ہی کیفر کردار کو پہنچی۔ علی وردی خاں اور اس کے خاندان کی ریاست و حکومت کی وجہ سے ایرانی افکار و خیالات کی خوب نشر و اشاعت ہوئی۔

نظام الملک نے دکن میں بساطِ ریاست بچھائی، ان کے خاندان نے کم و بیش دو سو سال حکومت کی اور ۱۹۴۸ء میں ریاست حیدر آباد کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

برہان الملک اودھ میں صوبے دار بن کر پہنچا۔ اس نے نادر شاہ کے حملے میں خاص کردار ادا کیا تھا، اس کی ہمدردیاں نادر شاہ کے ساتھ تھیں۔ برہان الملک نے پورب کی اکثریت سے فکری ہم آہنگی نہ رکھنے کی وجہ سے علما و مشائخ کی جائدادیں ضبط کرلیں، جس سے بہت سے مدرسے اور درس گاہیں ویران ہو گئیں۔ ہم عصر مؤرخ غلام علی آزاد بلگرامی نے "مآثر الکرام" میں اور قریب العصر شیعی تذکرہ نویس خیر الدین محمد الہ آبادی نے "تذکرۃ العلما" میں اس موضوع پر وضاحت سے لکھا ہے:

برہان الملک کے جانشین صفدر جنگ نے دلی کی سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور وزارت پر قابض ہو گیا۔ اس نے مذہبی اختلاف کی بنا پر بنگشوں اور روہیلوں کی بیخ کنی میں پوری پوری کوشش کی۔ اس کا جانشین شجاع الدولہ بھی "نواب وزیر" کے منصب پر سرفراز ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی پالیسی کو اپنایا، مرہٹوں اور انگریزوں سے معاملت کی۔ میر قاسم (بنگالہ) کو در بدر کی ٹھوکریں کھلائیں۔ شاہ عالم

کو چک پھیریاں دیں۔ وہ معاہدۂ الہ آباد ۱۷۶۵ء میں انگریزوں کا حلیف رہا اور شاہ عالم کو نجف خاں ایرانی کے ہمراہ دہلی بھیج کر اسے مرہٹوں کی سرپرستی میں دے دیا۔ انگریزوں کی مدد سے ۱۷۷۴ء میں روہیل کھنڈ کی ریاست (حافظ رحمت خاں) کا خاتمہ کر دیا اور بعد ازاں بنگشوں کی ریاست فرخ آباد کو بھی ہڑپ کر گیا، لیکن پون صدی کے بعد اودھ کی حکومت بھی ہندوستان کے نقشے سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی۔ خان بہادر مولوی مطیع اللہ خاں (ف ۱۹۲۵ء) مؤلف تاریخ مطیع (تاریخ شاہ جہان پور) نے شجاع الدولہ کی ناعاقبت اندیشانہ پالیسی پر کیسا بصیرت افروز تبصرہ کیا ہے:

"اسلامی حکومت کا خاتمہ روہیل کھنڈ میں دراصل حافظ الملک کی شہادت کے دن ہو چکا تھا۔ اودھ کی حکومت رقص بسمل تھی جو بہت جلد سرد ہو گئی۔ اگر شجاع الدولہ نے انگریزی توپوں کے استعمال سے روہیلوں کا خاتمہ نہ کیا ہوتا تو لارڈ ڈلہوزی کی باریک بین نظر کو انڈیا کے نقشے پر ریاست اودھ بدنما داغ معلوم نہ ہوتی اور وہ اس کو مٹانے میں عجلت سے کام نہ لیتے"[۱]

فروری ۱۸۵۶ء میں "پیا جان عالم" واجد علی شاہ کو بیک بینی و دوگوش سلطنت سے معزول کر کے مٹیا برج (کلکتہ) بھیج دیا گیا۔ حیرت ہے کہ عزلِ شاہ اور ضبطِ سلطنت کا اتنا بڑا واقعہ ہوا اور لکھنؤ میں نکسیر تک نہ پھوٹی۔ یا تو رعایا اس نظامِ حکومت سے نالاں تھی یا پھر غیرت و حمیت کا جنازہ نکل گیا تھا۔

اودھ میں ایرانی عقائد و افکار کی خوب نشر و اشاعت ہوئی، گویا لکھنؤ نے ایک چھوٹے سے ایران کی صورت اختیار کر لی۔ آصف الدولہ کے زمانے میں حسن رضا خاں نے شیعیت کی اشاعت میں بدرجۂ غایت دلچسپی لی۔ جمعہ و جماعت کا علیحدہ قیام عمل میں آیا اور مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اوّل قرار پائے۔ عقائد و اعمال، تہذیب و ثقافت اور شعر و ادب پر ایرانی اثرات مرتب ہوئے۔ نصیر الدین حیدر اور بادشاہ بیگم کے دور میں تو یہ بات درجۂ کمال کو پہنچ گئی اور "غلو" کی سرحدیں پار ہو گئیں۔ ہم عصر تاریخوں میں جب تفصیلات نظر سے گزرتی ہیں تو بے اختیار زبان پر آتا ہے کہ:

ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے

حکومتِ اودھ کی "رواداری" کا اس سے اندازہ لگایئے کہ تعزیہ داری کے ایک قضیئہ نامرضیہ کے

---

[۱] تاریخ شاہ جہان پور (لکھنؤ ۱۹۳۲ء) ص ۱۲۵

سلسلے میں ملّا عبد العلی بحر العلوم اور ملا حسن فرنگی محلی جیسے عبقریانِ زمانہ خارج البلد کیے گئے، ان کو تا زندگی سرزمینِ وطن دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ اوّل الذکر نے مدراس میں اور ثانی الذکر نے رام پور میں عالم آخرت کی راہ لی۔ بات ذرا آگے بڑھ گئی، اب پھر ہم اپنے موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ولی عہدی کے بارے میں مغلیہ سلطنت کا کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہ تھا، اسی وجہ سے قتل و غارت گری اور جنگ و جدل کی نوبت آجاتی تھی یا پھر امراء و وزرا کی سازشیں اپنا رنگ دکھاتی تھیں۔ بعض امرا تو باقاعدہ شہزادوں کو اپنی حفاظت و حراست میں رکھتے تھے تاکہ حسب ضرورت بادشاہ گری کا مظاہرہ کر سکیں اور ایسے مظاہرے اکثر ہوا کرتے تھے۔ جاگیردارانہ اور منصب داری نظام کی وجہ سے فوج کا نظام بھی ابتر تھا۔ اس نظام میں اہمیت "اشرافیہ" کی تھی اور یہ لوگ بالعموم باہر سے درآمد ہوتے تھے، ایران و توران سے آکر نظامِ سلطنت سے منسلک ہو جاتے تھے اور پھر ہاتھ پاؤں مار کر اپنے لیے مقام پیدا کر لیتے تھے۔ انھیں اس سے غرض نہیں تھی کہ انگریزوں سے ساز باز ہو رہی ہے یا مرہٹوں سے، انھیں اپنے حلوے مانڈے سے کام تھا۔ علی وردی خاں، برہان الملک، صفدر جنگ، سالار جنگ، نجف خاں وغیرہ نہ جانے کتنے ایسے "اشراف" تھے کہ جو ایران و توران سے ہندوستان میں آئے۔ عمائد اور ارکینِ سلطنت کے توسط و توسل سے ٹھکانا بنایا، شرافت و سیادت کا ڈھنڈورا پیٹا اور ملک و معیشت پر قابض ہو گئے۔ سلطنتِ دہلی کا چراغ گل ہو رہا تھا کہ قاسم جان و عارف جان اور مرزا غالب کے خاندان واردِ ہند ہوئے، مختلف امیروں اور رئیسوں کی ملازمتیں کیں، اور جب ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دلی فتح کی، تو عارف جان کے بیٹے احمد بخش خاں اس کے معین و مددگار تھے اور انھوں نے انگریزوں کی دوسری خدمات بھی انجام دیں اور ان ہی خدمات کے بدلے میں لوہارو اور فیروز پور جھرکہ کی جاگیریں حاصل کیں، یہاں تک کہ مرزا غالب کے چچا نصر اللہ بیگ خاں انگریزوں کی وفاداری میں مارے گئے اور ان کی حسنِ خدمات کی پنشن ان کے اکلوتے وارث مرزا غالب تمام عمر کھاتے رہے۔ "اشرافیہ" نے انگریزوں کی ہر محاذ پر خدمت کی اور مستفید ہوئے۔ علامہ تفضل حسین خاں، دبیر الدولہ فرید الدین احمد خاں، کاظم علی خاں، سید رجب علی، شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد وغیرہ نہ جانے کتنے حضرات ہیں کہ جنھوں نے انگریزوں کی سیاسی خدمات انجام دیں اور معزز و محترم ٹھہرے۔

برصغیر پاک و ہند میں تبلیغِ اسلام کا کام نہ صرف سرکاری سرپرستی سے محروم رہا بلکہ بعض اوقات سرکار و دربار کی طرف سے اس میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔ بہرحال تبلیغ اسلام کا جس قدر کام ہوا، وہ اولا

کی کوششوں، سیاسی غلبے، معاشی ضرورتوں اور بعض معاشرتی عوامل کا رہین منت رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں جو پہلی مردم شماری ہوئی، اس کی رو سے مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ چار کروڑ لگایا گیا تھا۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مسلمان حکمرانوں، امرا و رؤسا اور زعما و قائدین نے عددی اہمیت کا اندازہ نہیں کیا، اور جب ہندوستان میں انگریزی حکومت کی طرف سے دستوری مراعات کا سلسلہ شروع ہوا تو صاف نظر آنے لگا کہ ملک میں بالغ رائے دہی کا دور ہوگا اور عددی قوت کو سیاسی غلبہ ملے گا۔ اس وقت بھی مسلمانوں نے تبلیغ اسلام کی کوئی باقاعدہ اور مربوط کوشش نہیں کی اور عددی قوت کے اضافے کے لیے کوئی اجتماعی قدم نہیں اٹھایا، بلکہ جب انگریزوں کی شہ پر ہندوؤں کا ایک نوزائیدہ فرقہ "آریہ سماج" وجود میں آیا اور شدھی کی تحریک برپا کر کے غیر ہندوؤں کو ہندو بنانے کا ہنگامہ برپا کیا تو مسلمانانِ ہند کی طرف سے تمام تر مدافعانہ کوششیں عمل میں آئیں اور وہ بھی بقول علامہ شبلی نعمانی مرحوم غیر مربوط اور غیر منظم رہیں۔

انگریزی دور میں تین حلقوں سے تبلیغ اسلام کی کسی قدر اجتماعی کوششیں ہوئیں:

۱۔ مولوی عبید اللہ (۱۳۱۰ھ) مصنف تحفۃ الہند کی کوششیں۔ جس کے نتیجے میں بہت سے خاندان مسلمان ہوئے اور پھر اس سلسلے کو مزید وسعت ہوئی۔

۲۔ سندھ میں علما و امرا کی اجتماعی کوششیں۔ اس سلسلے میں مٹیاری کے علما نے خاص کردار ادا کیا ہے اور اسی تحریک کے نتیجے میں شیخ عبدالرحیم (۱۹۱۵) (برادر آچاریہ کرپلانی) اور شیخ عبدالمجید سندھی (ف ۱۹۷۸) جیسے اکابر مشرف باسلام ہوئے۔

۳۔ نواب بہادر یار جنگ کی کوششیں۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے حیدر آباد دکن کے خاص حالات کے تحت منظم طور پر تبلیغِ اسلام کا کام انجام دیا، جس کے نتیجے میں پانچ ہزار آدمی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور تقریباً بیس ہزار مختلف اوقات میں داخل اسلام ہوئے۔

آج جب کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل ہر طرح سے تاریک ہے اور ان کی حیثیت تیسرے درجے کے شہری سے کسی طرح بہتر نہیں ہے مگر پھر بھی لوگ جوق در جوق اسلام کی طرف رجوع کر رہے ہیں، یہاں تک کہ سرکاری حلقوں میں ارتعاش پیدا ہوگیا ہے، کاش مسلمان اپنے دورِ عروج و اقتدار میں اس طرف توجہ کرتے تو بلاشبہ اس کے نتائج بہتر ہوتے اور فلاحِ انسانیت کا ایک عظیم کارنامہ انجام پاتا۔ افسوس یہ ہے کہ پاکستان میں بھی اس طرف سے سہل انگاری برتی گئی ہے۔ نواحِ ٹھٹھہ کے بھیل، بہاول پور کے

...رچی کے آدباسی اور پنجاب کے بہت سے خانہ بدوش قبائل، عیسائی مشنریوں بلکہ بہائیوں تک کی توجہ کا مرکز بنے ...ئے ہیں اور مسلم علما و زعما اس سے بالکل بے خبر ہیں۔

سلطنتِ مغلیہ کے دورِ زوال میں مسلمانوں کے سیاسی انحطاط کے ساتھ ساتھ اقتصادی و معاشی زوال ...شروع ہوا۔ ریاستیں، جاگیریں اور زمینداریاں آہستہ آہستہ ختم ہوئیں۔ صنعت و حرفت اور تجارت ...باب میں سرکار کی طرف سے نہ کوئی حکمتِ عملی تھی اور نہ سرپرستی، بلکہ صنعت و حرفت کو حقارت کی نظر ...دیکھا جاتا تھا۔ معاشرے میں صنعت کار اور اہلِ حرفہ کا کوئی مقام نہ تھا۔ دہلی میں کارخانہ دار "کرخندار" ...ر رہ گیا اور یہ لفظ معاشرے میں تحقیر و تضحیک کی علامت بن گیا۔ اس سے ہم صنعت کی زبوں حالی کا اندازہ ...سکتے ہیں، پھر مسلم صنعت کاروں کی صنعت و حرفت اور محنت و مشقت سے ہندو سرمایہ داروں نے ...رپور فائدہ اٹھایا۔ کاش مسلم زعما اور قائدین صنعت و تجارت کی اہمیت کا اندازہ کرتے تو مسلمان اس ...وں حالی سے دوچار نہ ہوتے۔ خدا کا شکر ہے کہ پاکستان میں اس رجحان میں کسی قدر کمی ہوئی ہے اور ...ب صنعت و حرفت اور ہر پیشے میں دخیل ہو گئے ہیں۔

مغلیہ سلطنت جب تک مضبوط رہی، "تخت واقتدار" مسلمانوں کی یک جہتی کا ذریعہ تھا، اس کے ...نحطاط پذیر اور روبہ زوال ہوتے ہی مسلمانوں میں قومی یک جہتی کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی اور جو کچھ ...ومی یک جہتی یا ملک گیر مسلم رابطے کی جھلک نظر آتی ہے، اس کے مندرجہ ذیل تین عوامل معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ اسلام کی آفاقیت

۲۔ علما کے درس و تدریس کے مدارس

۳۔ مشائخ کے سلاسل اور رابطے

انگریزی دور میں جب سیاسی ادارے وجود میں آئے اور سیاسی تحریکات کا آغاز ہوا تو مسلمانوں ...کی قومی یک جہتی سیاسی اداروں کے ذریعے ظہور پذیر ہوئی، اس سلسلے میں جہاد تحریک، علی گڑھ تحریک، ...خلافت تحریک، ترکِ موالات تحریک اور پاکستان تحریک نے موثر کردار ادا کیا ہے۔ آج پاکستان میں ...قومی یک جہتی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ کاش اس طرف بھرپور توجہ ہوتی۔

سلطنتِ مغلیہ کے عہدِ زوال کے تین علمی خانوادوں کا ذکر ضروری ہے کہ اس میدان میں ان کی نمایاں ...خدمات ہیں۔

۱۔ لکھنؤ کا خانوادۂ فرنگی محل : اس میں نامی گرامی علما و فضلا پیدا ہوئے، درسِ نظامی کا اجرا ہوا۔ معقولات میں اس خانوادے کو خاص امتیاز و اختصاص حاصل ہوا، اور ایک زمانے تک اس کی علمی قیادت و سیادت برقرار رہی۔ اس خاندان کے دورِ آخر کے دو علما مولانا عبدالحی اور مولانا عبدالباری کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں کہ جن کی علمی و سیاسی خدمات تاریخ کا روشن باب ہیں۔

۲۔ دہلی کا خانوادۂ شاہ ولی اللہ : اس خانوادے کی نمایاں اسلامی خدمات ہیں۔ اس نے علمِ حدیث و قرآن کو عام کیا۔ قرآن و حدیث کے فارسی و اردو میں ترجمے کیے۔ دوسرے اسلامی علوم میں قابلِ قدر کام کیا۔ شاہ ولی اللہ سیاست و اقتصادیات میں بھی نہایت صحت مند رجحانات رکھتے تھے اور عصری ضرورتوں کو اہمیت دیتے تھے۔ ان کی تحریک کو ان کے لائق صاحب زادگان اور تلامذہ نے آگے بڑھایا اور مدارس و تصانیف کے ذریعے ان کے افکار و خیالات کی نشر و اشاعت کی۔ اصلاحِ ملت کا خوب کام کیا کہ جس کے اثرات برِعظیم پاک و ہند میں آج بھی محسوس ہوتے ہیں۔

۳۔ سندھ کا خانوادۂ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ۔ شمالی ہند میں تبلیغ و اصلاح کا جو کام شاہ ولی اللہ نے انجام دیا، دیارِ سندھ میں وہی کام مخدوم محمد ہاشم (۱۱۷۴ھ - ۱۷۶۰-۶۱ء) اور ان کے خانوادے نے انجام دیا ہے۔ مخدوم ہاشم ممتاز عالم، مفسر، محدث اور مبلغ کی حیثیت سے معروف ہیں۔

سلطنتِ مغلیہ کے دورِ انحطاط کے تعلق سے یہ چند باتیں ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہیں۔ ملتِ اسلامیہ پاکستان کو ماضی کی تاریخ سے سبق لینا چاہیے۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر کہیں ہم ان ہی غلطیوں کو نہ دہرائیں کہ جو ہمارے زوال کا سبب بنی ہیں۔ ملتِ اسلامیہ پاکستان کو "بنیان مرصوص" بنا دینا چاہیے۔ قومی یک جہتی کو ہر صورت میں برقرار رکھنا چاہیے۔ مذہبی، علاقائی، ادبی، غرض ہر نوع کی عصبیتوں کو خیرباد کہہ دینا چاہیے۔